سلسلۂ اشاعت 185

شہادت امام علیہ السلام اور دستور اسلامی

مصنف

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

ناشر

ڈیجیٹل لائبریری آف نور ہدایت فاؤنڈیشن

امام باڑہ غفران مآبؒ، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳ (یوپی) انڈیا



سید المفسرین صدر المحققین سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی نقی نقویؒ

ابن ممتاز العلماء آیۃ اللہ سید ابوالحسن نقویؒ

ولادت ۲۶ رجب ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء

وفات یکم شوال ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۸ مئی ۱۹۸۸ء

نام کتاب : شہادت امامؑ اور دستور اسلامی

مصنف : آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

تاریخ وسنہ اشاعت (آنلائن) ۷/ جنوری ۲۰۲۰ء

ناشر : ڈیجیٹل لائبریری آف نور ہدایت فاؤنڈیشن

مدیر : سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی

نائبین مدیر: بنت زہرا نقوی ندیؔ الہندی

سید قائم مہدی نقوی تذہیبؔ نگروری

فیروز علی کوپا گنج مئو (تزئین کار)

عظمت علی مبارکپوری

امام باڑہ غفران مآبؒ، مولانا کلب حسین روڈ،

چوک، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳ (یوپی) انڈیا

عرض نور

علم وادب کی دنیا میں 'ماہنامہ' کی اپنی ابلاغی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ 'جلد بازی کے ادب' صحافت میں ایک حد تک استقامت کا رنگ بھر کر اسے علمی وادبی متانت کا قابل توجہ بنا دیتا ہے اور 'کتابی' انداز کی پذیرائی اور یادگاری کے قریب تر کر دیتا ہے۔ کچھ یہی وجہ ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں علمی وسائنسی تحقیقی مجلوں میں ماہنامہ کا غلبہ قائم ہے۔ ایسے مجلّے عموماً اختصاصی ہو گئے ہیں اور اپنے معیار ومقدار کے لحاظ سے بڑے معتبر وموقر ہو چکے ہیں۔

دینی وملی ماہنامہ جو بنیادی طور پر اختصاصی ہوتے ہیں، ان کی بھی اپنی روایت رہی ہے اور اپنا خاص مقام۔ اردو زبان میں برصغیر ہند میں ایسے ماہناموں کی تاریخ قدیم بھی ہے اور درخشاں بھی۔

ماہنامہ 'شعاع عمل' ایسے ماہناموں کی صف میں شامل ہونے والا نسبتاً تازہ اضافہ ہے۔ پھر بھی یہ اپنی اشاعت کی 'صدی' برسوں پہلے مکمل کر چکا ہے اور 'دوسرے عشرہ' کی تکمیل کی طرف اپنے استقلال کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اس 'کم عمری' میں اپنے نمود اور بلوغ نظر کے جھنڈے گاڑ چکا ہے۔ ساتھ ہی کئی جہات سے اپنے امتیازات اور خصوصیات ثبت کر چکا ہے۔ 'شعاع عمل' میں ابتدا سے معیاری علمی وتحقیقی مشمولات کے ساتھ 'یادگاری' کا عنصر نمایاں رہا ہے۔ علم وقلم کی نوابغ روزگار ہستیوں کی یادگار زمانہ مضامین کے ساتھ اس کا ہر شمارہ یادگار اور قابل قدر رہا اور مقبول عوام وخواص بھی۔ اسی یادگاری کے عنصر کے پیش نظر اس کے مطبوعہ ومطبوع عام معیاری مضامین کو ایک ایک کر کے سرِدست نور ہدایت فاؤنڈیشن کی آن لائن ڈیجیٹل لائبریری سے سالکانِ راہ تحقیق کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔

زیرِ نظر پیش کش بھی مذکورۂ بالا سلسلہ کی ۱۸۵ ویں کڑی ہے جس کا موضوع شہادت امامؑ اور دستورِ اسلامی ہے۔ اور جس کے مصنف آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ ہیں۔

امید ہے، ہمارے اہلِ ذوق و نظر قارئین کرام ہماری اس پیش کش کو بھی شرفِ قبولیت اور ہمیں اپنے مفید آرا سے نوازیں گے۔

سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی
دبیر مؤسسۂ نورِ ہدایت، لکھنؤ

❁❁❁

شہادت امامؑ اور دستور اسلامی

از قلم آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۲۶ر جون ۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے کہ ٹمپل روڈ (لاہور) پر واقع
ایک کوٹھی میں ایک مجلس منعقد ہوئی اور اس کی روئداد جماعت اسلامی ہندوستان کے ترجمان دعوت دہلی میں ۱۰ر جولائی ۱۹۶۰ء کو شائع ہوئی۔

جس کا خلاصہ جلی قلم کی ان سرخیوں سے ظاہر کیا گیا ہے جو مضمون کے اوپر درج ہیں:

پہلی سرخی

''امام حسینؑ کی شہادت دستور اسلامی کی حفاظت کے لئے تھی''۔

دوسری سرخی

''ان کے زمانہ میں شریعت موجود تھی لیکن دستور کی روح بدل دی گئی تھی''۔

اس کے تحت میں مولانا فرماتے ہیں:

''آخر امام عالی مقام یہ قدم اٹھانے پر کیوں آمادہ ہوئے؟ کیا اس وقت امت کا دین بدل گیا تھا؟ اس نے اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیا تھا؟ کیا لوگ خدا کو ماننے سے منکر ہو گئے تھے؟ کیا وہ نبیؐ کی نبوت کے منکر ہو گئے تھے؟ ظاہر ہے کہ

ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تھی، جو بات ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ ملک کا دستور بدل گیا تھا اس کی روح بدل دی گئی تھی، اس کا مقصد بدل دیا گیا اور ترک کر دیا گیا تھا اور امام عالی مقام اس صورت حال کی اصلاح کے لئے اٹھے تھے۔''

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ محسوس ہوتی ہے کہ جناب مودودی صاحب نے ایک ایسے ماحول میں جہاں وہ سیاسیات پر کھلے ہوئے اسٹیج سے کوئی آواز بلند نہیں کر سکتے تھے، مجلس حضرت امام حسینؑ کو سیاسی نقطہ نظر کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا ہے، اور کچھ شیعوں نے مقصد میں ان کے ساتھ متحد ہونے کی بنا پر اور کچھ نے ''عشق امام مظلومؑ میں اس موقع کو غنیمت جان کر کہ مولانا مودودی بحیثیت ذاکر حسینؑ منبر پر آرہے ہیں، ان کے ساتھ تعاون کیا، مگر ہم سمجھتے ہیں کہ مودودی صاحب کا مجلس امام حسینؑ کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنا، اس فضا میں جہاں اس قسم کے نظریات کا اظہار خطرناک ہو، مجلس مظلومؑ کے ساتھ کوئی خیر خواہانہ رویّہ نہیں ہے۔''

دوسرا ایک اصولی سوال جو مولانا کی اس تقریر سے پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ واقعہ کربلا میں اقدام حضرت امام حسینؑ کی طرف سے تھا، یا آپ کے خلاف حکومت دمشق کی طرف سے اقدام تھا، جس کا مقابلہ آپ نے اپنے صبر و استقامت سے فرمایا:

جناب مودودی صاحب کے یہ الفاظ:

''امام عالی مقام یہ قدم اٹھانے پر کیوں آمادہ ہوئے''

پھر آخر میں یہ کہ:

''ملک کا دستور بدل گیا تھا اور امام عالی مقام اس صورت حال کی اصلاح کے لئے اٹھے تھے۔''

کچھ ایسا تصور پیدا کرتے ہیں کہ پیش قدمی آپ کی طرف سے تھی اور اس کے لئے مولانا کو یہ سوچنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، کہ آپ اس پیش قدمی پر کیوں آمادہ ہوئے؟

تیسرا سوال: حضرت کے اقدام کی اس نوعیت سے قطع نظر کہ وہ ابتدائی تھا، یا جوابی، اور مقاومتی، یہ خاص بات ہے کہ جناب مودودی صاحب نے حضرت کے اقدام کی طرف مقابل عامہ اہل اسلام کو قرار دیا ہے اور اس لئے یہ سوال پیدا کئے ہیں کہ اس وقت ملت کا دین بدل گیا تھا اس نے اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیا تھا؟ کیا لوگ خدا کے ماننے سے منکر ہو گئے تھے۔ یا وہ نبی ﷺ کی نبوت کے منکر ہو گئے تھے پھر ان تمام باتوں کا جواب نفی میں دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تھی''۔

حالانکہ آپ کے مقاومت و مجاہدہ کی زد کوئی براہ راست عوام پر نہ تھی۔ آپ کی مقاومت تو حکومت دمشق کے مقابلہ میں تھی، جس کا عوام سے بس اتنا تعلق تھا کہ اس حکومت کی سیاہ کاریوں اور چیرہ دستیوں کے سامنے عوام میں جو بے حسی پائی جاتی ہے وہ دور ہو اور احساس کے ساتھ ساتھ ان میں جرأت اظہار اتنی پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز کو اپنے دہن سے بلند کر سکیں۔

چوتھا سوال: ملک کا دستور بدل دیا گیا تھا اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی باقاعدہ دستور ملک کا موجود تھا۔ اب یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ملک کے لئے یہ دستور بر بنائے وحی قائم ہوا تھا یا مسلمانوں نے دل بخواہ طور پر بنایا تھا، اور یہ دستور شروع سے برابر یکساں رہا تھا یا اس کے پہلے بھی اس میں برابر تبدیلی ہوتی رہی تھی اور اگر تبدیلی ہوتی رہی تھی تو اب اس وقت اس میں وہ خاص تبدیلی کیا تھی، جو ناقابل برداشت تھی۔ جب تک ان امور کی وضاحت نہ ہو۔

واقعہ کربلا سے یہ سیاسی فائدہ اٹھانا کہ ملک کے دستور کا مسئلہ ایسی قربانی کا متقاضی ہوتا ہے جیسی حضرت امام حسینؑ نے کربلا میں پیش کی تھی، اساسی طور پر کوئی مستحکم حیثیت نہیں رکھتا۔

پانچواں سوال: ملک کا دستور بدل گیا تھا۔ امام عالی مقام اس صورت حال کی اصلاح کے لئے اٹھے تھے۔

اس سے فرقہ وارانہ اختلاف کے سلسلے میں یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے، کہ اس سے پہلے جو ملکی دستور نافذ تھا، اسے حضرت امام حسینؑ اور ان کے پیش رو صحیح سمجھتے تھے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے بعد ہی اسلام کے نظام اجتماعی کا دستور بدل دیا گیا تھا، اور اس تبدیل کے نتیجہ میں برابر قربانیاں پیش ہوتی رہی تھیں۔

چنانچہ واقعہ تو یہ ہے کہ اس سلسلہ کی پہلی قربانی خاتون اسلام بضعۃ الرسولؐ خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تھی۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی پوری زندگی اس غلط نظام کے مقابلہ میں کشمکش میں بسر ہوئی۔ پھر اسی غلط نظام کے مضر اثرات کو محدود کرنے کی ایک امکانی کوشش تھی جو حضرت امام حسن مجتبیٰ نے صلح کی صورت میں انجام دی تھی، اور اب اسی غلط نظام کی چیرہ دستی کی انتہا تھی جس کے مقابلہ میں حضرت امام حسینؑ نے یہ آخری قربانی پیش فرمائی۔ جس نے اپنے دور رس اثرات سے اس نظام فاسد کی تمام مشکلوں کے بطلان پر ناقابل شکست مہر ثبت کر دی سب سے آخر میں چھٹی بات یہ ہے کہ آج سوا تیرہ سو برس کے بعد آپ حضرت امام حسینؑ کے اقدام کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شریعت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، اور ملت میں دین اسلام سے کوئی انحراف نہ ہوا تھا۔ بس دستور ملک کا بدل گیا تھا۔

اس لئے حضرت امام حسینؑ نے یہ قدم اٹھایا، مگر خود حضرت امام حسینؑ نے کربلا سے

پہلے اور کربلا میں عصر عاشور تک کتنے خطبے ارشاد فرمائے ہیں۔ان میں دیکھنا چاہیئے کہ آپ نے اپنے طرز عمل کو کبھی بھی، اس سیاستی بنیاد پر مبنی قرار دیا؟ اگر ایسا نہیں ہے، اور یقیناً ایسا نہیں ہے، تو ماننا پڑے گا کہ یہ ایک غلط فائدہ ہے جو کچھ ہنگامی حالات کی بنا پر کارنامہ حسینی سے اٹھایا جارہا ہے، اور وہ کسی طرح حقیقت واقعہ کے مطابق نہیں ہے۔

۲۔ جناب مودودی صاحب فرماتے ہیں:

جس دستور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست قائم کی تھی، اور جس پر خلافت راشدہ کے دور سلطنت کا نظام چلتا رہا تھا، اس کی بنیاد یہ تھی:

ملک خدا کا ہے، وہی قانون دینے والا ہے، وہی اصل مالک و آقا ہے، اور حاکم جس کے ہاتھ میں انتظام امور کی باگ ہے، وہ اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے اور اس کے قانون کو نافذ کرنے پر مامور ہے۔ملک کا قانون اس لئے نہیں ہے کہ حاکم اسے عوام پر نافذ کرے بلکہ وہ اس لئے ہے کہ حاکم اور محکوم، رعایا اور راعی دونوں پر نافذ ہو اس کا دوسرا اصول یہ تھا کہ حاکم عوام کی رائے سے برسر اقتدار آئے، لوگ اس کو اس حال میں اپنا امیر اور حاکم مقرر کریں، جب کہ ابھی وہ برسر اقتدار نہیں آیا ہے، اور اس کے بعد اس کی بیعت کریں، وہ اس طرح لوگوں سے بیعت نہ لے کہ برسر اقتدار آجائے اور پھر لوگوں سے ووٹ لے۔ایسی حالت میں اس کی مخالفت کون کرے گا اور اس کی بیعت کون نہ کرے گا؟ ظاہر ہے کہ کوئی صالح اور متقی اور ذمہ داری کا احساس رکھنے والا اقتدار کو اس طرح لپک کر نہ لے گا۔

بیعت کے ذریعہ برسر اقتدار آنا، ایک شئے ہے اور برسر اقتدار آ کر بیعت لینا دوسری شئے ہے۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ گاڑی کا رخ بدل گیا ہے اب پہلے لوگ برسر اقتدار آئے اور پھر ان لوگوں سے بیعت لی۔

یہ سب کچھ جو ایک سانس میں مولانا فرما گئے ہیں اس میں کتنی چیزیں بحث طلب ہیں۔

اس سب میں جو مسلماً حق باتیں ہیں وہ اتنی ہیں کہ:- ملک خدا کا ہے وہی قانون دینے والا ہے، وہی اصل مالک وآقا ہے۔

مگر اس کا تقاضا کیا ہے؟ کیا جو اس کے بعد مولانا نے فرمایا ہے ملک اس کا ہے اور اصل مالک و آقا وہ ہے، تو اب وہ حاکم جو اس قانون کو نافذ کرنے والا ہو کس کی طرف سے ہونا چاہیئے؟ اس کی طرف سے یا ان عوام کی طرف سے جن کو قانون کے ذریعہ سے درست کرنا ہے، ظاہر ہے کہ وہ عوام منتخب کریں گے تو اپنے ہی مطلب کا منتخب کریں گے، وہ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا جو حقیقی مالک ملک اور آقا کے منشا کی تکمیل کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا کا پہلا اصول کہ اصل مالک وآقا خدا ہے، اور ملک اس کا ہے اور دوسرا اصول کہ حاکم عوام کی رائے سے برسر اقتدار آئے، دونوں آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔

اگر حاکم عوام کی رائے سے برسر اقتدار آنا چاہیئے تو پھر کہے" کہ ملک عوام کا ہے، در اصل حاکم عوام ہیں، جو آج کل کے نظام جمہوریت کی بنیاد ہے، اور اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ملک خدا کا ہے، اور اصل حاکم خدا ہے، تو پھر جس کے ہاتھ میں زمام حکومت ہونے کا استحقاق ہے وہ وہی ہوگا جو اس کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہو۔ عوام کو حق تقرر دینا غلط ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

"لوگ اس کو اس حال میں اپنا امیر اور حاکم مقرر کریں جب کہ وہ ابھی برسر اقتدار نہیں آیا ہے، اور اس کے بعد اس کی بیعت کریں۔ وہ اس طرح لوگوں سے بیعت نہ لے کہ برسر اقتدار آجائے اور پھر لوگوں سے ووٹ لے"۔

بات تو بظاہر خوبصورت ہے، مگر کیا مولانا بتا سکیں گے کہ سوا حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی اس خلافت کے جو جمہوری نقطہ نظر سے چوتھے مرتبہ پر تسلیم کی گئی کہ وہ اسی صورت سے تھی کہ آپ ظاہری طور پر پہلے برسر اقتدار نہیں تھے، باقی کوئی بھی خلافت اس کے پہلے کی کیا ایسی ہے، جس میں یہ شرط حاصل ہو، بلکہ ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ ہر جگہ اقتدار کسی اور طرح پہلے قائم کر لیا گیا ہے، پھر بعد میں لوگوں سے بیعت حاصل کی گئی ہے، یعنی سواد رمیان کے ایک وقفہ مختصر کے برابر گاڑی یوں ہی چلی ہے، کہ پہلے لوگ برسر اقتدار آئے اور پھر انہوں نے لوگوں سے بیعت لی اور اگر مولانا زیادہ آگے دیکھنے کی ہمت نہ بھی کریں تو خود یزید کے پیش رو امیر شام کو دیکھ لیں، کہ جس وقت سے ان کی خلافت تسلیم کی جاتی ہے وہ اس کے پہلے سے برسر اقتدار تھے یا نہیں؟

اب اگر ان میں یہ شرط حاصل نہ ہو تو مولانا کو حریت ضمیر اور جرأت اظہار سے کام لے کر صاف اعلان کرنا چاہیئے، کہ خود امیر شام ہی کی خلافت باطل تھی جنہوں نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا، تو اب یزید کی خلافت کے صحیح ہونے کا سوال ہی کہاں باقی رہتا ہے۔

بیشک اس کے بعد یہ سوال غیر حل شدہ رہ جائے گا کہ پھر یزید کے یہاں کیا خاص بات تھی، جو حضرت امام حسینؑ نے اتنی عظیم قربانی پیش فرمائی؟ میں نہیں سمجھتا کہ مولانا اس بنیاد کے غلط ثابت ہونے کے بعد، اب اس کا کیا جواب دیں گے۔ مگر میرے پاس اس کا یہ جواب ہے کہ قبل کی ایسی خلافتوں میں بھی ان محافظین دین نے، جو اسلام کے اصول کے محافظ تھے بیعت نہیں کی تھی، مگر اس دور کے با اقتدار افراد اس انتہائی اقدام کے لئے تیار نہیں ہوئے جس کے لئے یزید تیار ہو گیا، اور اس لئے امام حسینؑ کو وہ قربانی پیش کرنا پڑی جس کی یاد مثالی طور پر زندہ جاوید بنی ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ واقعہ ہے کہ پہلے شریعت کی مخالفت اتنی کھل کر نہ ہوتی تھی جس طرح اب یزید کھل کر سیاہ کاریوں میں مبتلا ہوگیا۔ لہٰذا اس مقولہ کے مطابق کہ "حدی را تیز تر بر خواں چو محمل را گراں بینی" اس وقت ملت اسلامیہ کو بیدار کرنے کے لئے ایک زیادہ نمایاں قربانی کی ضرورت تھی، جو ان کے ضمیر کو جھنجھوڑ دے۔

اس لئے واقعہ یہ ہے کہ اس غلط نظام کے مقابلہ میں قربانیوں کا سلسلہ تو پیغمبر اسلامؐ کے بعد سے جاری ہوگیا تھا۔ لیکن جتنا اقتدار باطل کے اقدامات میں شدت ہوئی، اتنا اتنا اس کے مقابلے میں دعوت حق کے تیز بنانے کی ضرورت تھی، یہاں تک کہ جب پانی سر سے اونچا ہو کر یزید کے نقطہ تک پہونچا، تو اس کے مقابلہ میں حسینی کردار کے سامنے آنے کی ضرورت پڑی، جس نے وہ مکمل قربانی پیش کر دی، کہ یزیدیت ہمیشہ کے لئے رسوا ہوگئی، اور پھر کبھی ملوکیت کو یہ ہمت نہیں ہوئی کہ وہ نمائندہ شریعت کا سر اپنے سامنے جھکوانے کی کوشش کرے۔

آپ فرماتے ہیں:

''اسلامی دستور کی تیسری بنیاد شوریٰ ہے''۔

ہمیں اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ دستور مرتب شکل میں قرآن یا حدیث میں کس جگہ درج ہے، بے شک ایک جگہ قرآن مجید میں یہ فقرہ ہے:

''وامرھم شوریٰ بینھم''

مگر وہ تو آپس کے معاملات کو جو خود عوام کو اپنے درمیان طے کرنا ہیں کہا جا رہا ہے، اقتدار اعلیٰ پر اس کی پابندی کب اور کس طرح فرض ہے؟

آپ فرماتے ہیں:

رسول اللہ کا یہی طریقہ تھا۔ کیا اس صورت میں آپ پر یہ بار ثبوت عائد نہیں ہوتا کہ آپ یہ دکھلائیں کہ حضرت پیغمبر خدا نے کہاں کہاں اور کب ''شوریٰ'' کی پابندی فرمائی؟ کیا نماز کی رکعتیں شوریٰ سے مقرر ہوئیں، کیا روزوں کی تعداد شوریٰ سے مقرر ہوئی کیا جہاد کے احکام شوری سے مرتب ہوئے پھر کیا حدیبیہ میں صلح شوریٰ کے بعد کی گئی اگر شوریٰ کے ساتھ کی گئی ہوتی تو اس پر عوام ہی نہیں بلکہ خواص میں بھی وہ بے چینی کیوں ہوتی، جو متواتر طور پر تاریخ اور حدیث میں درج ہے۔

کیا جیش اسامہ کی روانگی کا حکم شوریٰ سے تھا، جب کہ صحابہ اور بہت سے اکابر کی طبیعت پر اس حکم کی ناگواری اس سے ظاہر ہے کہ آپ بار بار اس کا حکم جاری فرماتے تھے، مگر کسی طرح اس کی تعمیل نہیں ہو رہی تھی، جس پر پیغمبر خداؐ کو انتہائی سخت الفاظ میں اپنی ناراضگی ظاہر فرمانے کی نوبت آئی۔ پھر اسامہ کا امیر بنانا یہ خود کیا شوریٰ پر مبنی تھا جب کہ اس پر دوسرے افراد کی برہمی کا اظہار کرنے کے لئے حضرت کے یہ الفاظ بھی محفوظ ہیں کہ تم لوگوں نے اس کے پہلے اس کے باپ (جناب زید بن حارثہ) کی امارت کو بھی ناپسند کیا تھا۔ اب تم اس کی امارت کو ناپسند کر رہے ہو اور اس بارے میں تو جناب خلیفہ اول نے بھی خود اپنے دور میں شوریٰ کا کچھ لحاظ نہ فرمایا یہاں تک کہ آپ کے الفاظ یہاں تک وارد ہیں کہ اگر ازواج رسولؐ کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کے کھینچ گھسیٹ کر لے جائیں تب بھی میں اس لشکر کو بھیجے بغیر نہ رہوں گا۔

قتال مرتدّین، جمع قرآن، خالد ابن الولید کو باوجود اصرار حضرت عمر معزول نہ کرنا۔ غرض کتنی باتیں آپ کو نظر آئیں گی جن میں قطعاً شوریٰ نہیں کیا گیا، بلکہ دوسروں کی رائے کو نظر انداز کیا گیا۔

اور ایسا ہی ہر دور میں غالباً آپ کو مل جائے۔ یہاں تک کہ جناب عثمان کا خلافت سے دستبردار نہ ہونے پر اصرار مروان کے مشوروں پر عمل کرتے رہنے پر قیام و استقرار عمال کی معزولی سے انکار کتنی ہی باتیں ہیں جن میں شوریٰ پر کوئی عمل ہمیں نظر نہیں آتا پھر جناب مودودی صاحب کس طرح ارشاد فرما رہے ہیں:

''اسلامی دستور کی تیسری بنیاد شوریٰ ہے۔''

بہرحال اس ذیل میں جناب مودودی صاحب کا ارشاد بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے:

''جب صاحب غرض برسر اقتدار ہوں، اور صاحب غرض ہی مشیر تو وہ امت کے خلاف سازش ہی کریں گے۔''

اس کے ساتھ اس مزید اضافہ کی جسارت قبول ہونا چاہیئے کہ جب صاحب غرض شوریٰ کر کے کسی کو برسر اقتدار بنائیں، تو اس میں بھی زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ امت کے خلاف ایک سازش ہی ہو۔

اور یہی وہ اصل بنیاد ہے جس پر اس سازشی نظام کی تشکیل ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں یزید ایسا شخص برسر اقتدار آیا اور جس کے خلاف امام حسینؑ کو یہ تاریخی قربانی پیش کرنا پڑی۔[1]

---

[1] [یہ مقالہ پہلے مجلہ 'پیام اسلام' لکھنؤ محرم نمبر ۱۳۸۴ھ میں شائع ہونے کے بعد امامیہ مشن لکھنؤ کے سلسلہ اشاعت نمبر ۴۵۴ کے طور پر رسالہ کی صورت محرم ۱۳۸۵ھ (۱۹۶۵ء) میں شائع ہوا۔]

SHAHAADAT IMAAM E HUSAIN (A.S) AUR DASTOOR E ISLAMI

BY

AYATULLAHIL UZMA SAYYIDUL ULAMAA
MAUALANA SAYYID ALI NAQI NAQAVI TABA SARAH

PUBLISHER
DIGITAL LIBRARY OF NOOR-E-HIDAYAT FOUNDATION
IMAM BARA GHUFRAAN MA'AB, MAULANA KALBE HUSAIN ROAD, CHOWK,
LUCKNOW,226003(UP)INDIA
PHONE-0522-2252230,08736009814
EMAIL:noorehidayat@gmail.com
WEBSITE:www.noorehidayatfoundation.org